© rasailojaraid.com



مولانا محمد حنیف ندوی

# اقتصادیات میں اسلام کا موقف

(۴)

## اسلام کی اقتصادی روح کا تعین

سوال یہ ہے کہ وہ روح کیا ہے؟ اور اس کا تعین کیونکر ہو؟ جواب واضح ہے مسائل واحکام کی اس ترتیب کی تہ میں فلسفہ یا روح یہ ہے کہ جہاں تک تقسیمِ دولت کا تعلق ہے کسی بھی شخص کے ساتھ ظلم نہ روا رکھا جائے۔ ہر شخص کو اس میں سے مناسب حصہ ملے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب دولت پھیلتی رہے، تقسیم ہوتی اور مختلف افراد میں بٹتی رہے۔ بیع وشرا، وراثت اور صدقات اور زکوٰۃ کے مسائل دراصل اسی غرض کو پورا کرتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی اسلام کے مزاج پر غور کرو اس کا اشکال یہ نہیں کہ دولت کیونکر جمع ہو، یا کس طرح معاشرہ میں بڑے بڑے سرمایہ دار قارون پیدا کیے جائیں۔ اس کے برعکس اس کا اشکال یہ ہے کہ دولت کیونکر بکھرے، کس طرح مستحق ہاتھوں تک پہنچے، اور کیونکر آخر آخر میں غربت اور احتیاج کا خاتمہ ہو۔ ظاہر ہے اسلام جب صدقات، زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کرتا ہے تو اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہو سکتا کہ معاشرہ ہمیشہ بلند وپست اور محتاج و غنی کے دو طبقوں میں منقسم رہے۔ ہمیشہ ایک قلیل گروہ تو دولت وثروت کی فراوانیوں سے بہرہ مند رہے۔ اور ایک طبقہ یا انسانوں کی بہت بڑی اکثریت غربت افلاس، اور احتیاج کے ہاتھوں نالاں اور پریشان رہے۔ ان احکام ومسائل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام نے انسان اور انسان کے درمیان مرتبہ و درجہ کی جو خلیج حائل کر رکھی ہے اس کو ممکن حد تک پاٹا جائے، اور ان فاصلوں کو کم کیا جائے جن سے ایک انسانیت دو حریف خانوں میں ہمیشہ کے لیے بٹ کر رہ گئی ہے۔ ان لوگوں سے ہمیں ایک سوال پوچھنا ہے جو ان مسائل کی اس ترتیب سے یہ سمجھتے ہیں کہ یدِ علیا اور یدِ سفلیٰ کی تقسیم ازلی، ابدی اور اٹل ہے۔ لہٰذا ہر حال میں ایک گروہ زکوٰۃ دینے والوں کا اور ایک زکوٰۃ وصول کرنے والوں کا رہنا چاہیے۔ تاکہ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


مسائل پر عمل درآمد کی صورت قائم رہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا طاعون، ملیریا، تپ دق اور ٹائیفائڈ کے خلاف اس بنا پر کوئی جدوجہد نہیں ہونا چاہیے کہ اگر ان کا خاتمہ ہوگا تو پھر ان بیش قیمت دواؤں کا کیا مصرف ہوگا جو محض ان کے علاج کے لیے تیار کی گئی ہیں اور ہزاروں صفحوں پر مشتمل اس لٹریچر کا کیا ہوگا جن میں ان مسائل کے بارہ میں دادِ تحقیق دی گئی ہے۔ اس سوال کا معقول جواب یہی ہو سکتا ہے اگر انسان صحت و توانائی کے راز کو پالے تو وہ مقصد پورا ہو جائے گا۔ جس کے لیے یہ دوائیں تیار کی گئی ہیں اور یہ لٹریچر معرضِ ظہور میں آیا۔ ٹھیک اسی طرح اگر معاشرہ میں افلاس نہیں رہتا، انسان اور انسان میں بعد و اختلاف کے فاصلے کم ہوتے ہیں۔ شرفِ انسانی بحال ہوتا ہے اور ہر شخص کو تہذیب و تمدن کی آسائشوں سے مناسب حصہ ملتا ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد، اسلام کے لیے یہ صورتِ حال حد درجہ شائستہ، لائق قبول اور خوش آئند ہوگی۔ نجی ملکیت سے متعلق اسلامی احکام و مسائل کی روح سرمایہ کو خرچ کرنا، تقسیم کرنا، پھیلانا اور اس کو چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے سے روکنا ہے۔ جمع کرنا اور گن گن کر تجوریوں میں محفوظ رکھنا نہیں۔ ثبوت کے لیے قرآن حکیم کی چند آیات پر غور کیجیے۔ ان سے واضح ہو جائے گا کہ اسلام جن اقتصادی قدروں کا حامل ہے، وہ کس درجہ انسانیت دوستی پر مبنی ہیں۔ نیز یہ کہ نجی ملکیت کے تصور میں۔ وسعت و اطلاق کے دائرے کس درجہ محدود ہیں۔ ان آیات سے دولت اور تقسیم دولت کے بارہ میں اسلام کا موقف نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ جن لوگوں کو دولت جمع کرنے کا چسکا ہے اور جو خدا اور معاشرہ کے ان حقوق کو ادا نہیں کرتے جن کی شریعت میں نشاندہی کی گئی ہے۔۔ ان کے بارہ میں ارشاد باری ہے:

| | |
|---|---|
| والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ۝ یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون ۝ (توبہ: ۳۵) | اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کے رستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو اس دن کے عذاب الیم کی خوشخبری سنا دو جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں خوب گرم کیا جائے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا۔ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ سو جو تم جمع کرتے تھے اس کا مزہ چکھو۔ |

دولت پر کسی خاص شخص یا گروہ کا قبضہ یا اجارہ نہیں۔ ایسے پورے معاشرہ میں بہر حال دائرہ سائر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



رہنا چاہیے۔ اس کے متعلق منصوص یوں ہے:

ما افاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم۔ (الحشر: ۷)

جو مال اللہ تعالیٰ نے فتح کے نتیجے میں دیہات والوں سے دلوایا ہے۔ وہ خدا کے اور پیغمبر کے اور پیغمبر کے قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مسافروں کے لیے ہے۔ (تقسیم کا یہ انداز اس بنا پر ہے) تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں۔ مال انہی کے ہاتھوں میں مرتکز ہو کر نہ رہ جائے۔

دولت و ثروت میں ان لوگوں کا باقاعدہ حصہ ہے جو اس سے محروم ہیں یا جن کو معاشرہ کی بے انصافیوں نے سوال کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے ضمن میں یوں بیان فرمایا ہے۔ کہ اللہ کے نیک بندے جنھیں حقیقتاً نیکی کی روح رچی ہوئی ہے جو دنیا میں راتوں کو جاگ جاگ کر اپنے ذوق بندگی کا سامان فراہم کرتے تھے، وہ اپنے حال و دولت میں ان لوگوں کے حق کو پہچانتے تھے اور اس کو ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتتے تھے:

انهم کانوا قبل ذلك محسنین ۔ کانوا قلیلا من اللیل ما یهجعون ۔ و بالاسحار هم یستغفرون ۔ و فی اموالهم حق للسائلین والمحروم ۔ (الذاریات: ۱۹)

وہ اس سے پہلے دنیا کی زندگی میں نیکی کے خوگر تھے۔ رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے اور اوقات سحر میں بخشش مانگا کرتے تھے اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حق ہوتا تھا۔

اس میں شبہ نہیں، نماز فرض ہے اور بہت بڑی نیکی اور قبلہ رو ہونا اس کے شرائط اولیہ میں داخل ہے۔ تاہم عملاً نیکی کی روح عقائد کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ میں مضمر ہے۔

لیس البر ان تولوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن بالله والیوم الاخر والملٰئکة والکتب والنبیین واتی المال علی حبه ذوی القربی والیتمی والمسکین

نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کو قبلہ سمجھ کر ان کی طرف منہ کر لو۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور خدا کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ اور مال باوجود عزیز ہونے کے رشتہ داروں کو یتیموں، محتاجوں، مسافروں، مانگنے والوں اور گردنوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب۔ کے چھڑانے میں خرچ کریں۔

(بقرہ : ۱۷۷)

تقسیم دولت اور نجی ملکیت کے بارے میں فقہ اسلامی کی روح کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسلام میں استحصال Exploitation کا مفہوم بھی متعین کریں۔ اس سے قبل اشتراکیت کی بحث کے دوران ہم بتا چکے ہیں کہ یہ اصطلاح دراصل ناانصافی کی اس صورت پر دلالت کناں ہے جس کو صنعتی انقلاب نے جنم دیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ایک سرمایہ دار جب اس کام کی اجرت کا تعین کرنے لگتا ہے جس کو اس نے اور مزدوروں نے مل جل کر انجام دیا ہے۔ تو وہ نفع واجرت کے اکتساب کے لئے دو مختلف پیمانے اختیار کرتا ہے ایک اپنے لیے اور ایک مزدور کے لیے۔ اپنے لیے تو وہ یوں سوچتا ہے کہ اس کا چونکہ بنگلہ اور کوٹھی ہے اور معاشرہ میں اونچا درجہ اور معیار ہے۔ اس لیے اس رعایت سے اس کی جیب میں تو دولت کو زیادہ سے زیادہ مقدار میں جمع ہونا چاہیے۔ اس نے چونکہ سرمایہ لگایا ہے اور سرمایہ کی منصوبہ بندی کی ہے اس لیے منافع میں اس کا حصہ زیادہ ہونا چاہیے۔ اور مزدور چونکہ کنگال اور مفلس ہے اس لیے اس کے لیے بس اتنا ہی نفع کافی ہے کہ جسم و جان میں جو رشتۂ حیات ہے اس کو یہ قائم رکھ سکے۔ یا مزدور نے چونکہ صرف جسم و جان کی توانائی ہی بیچی ہے۔ سرمایہ نہیں صرف کیا ہے۔ اس لیے اس کا حصہ منافع میں بہت کم ہونا چاہیے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ مزدور کی حالت سدھارنے کے لیے ماضی میں کچھ اصلاحات بھی نافذ ہوئی ہیں اور ان سے ایک حد تک مزدوروں کو سہولت و آسائش کے مواقع بھی فراہم ہوئے۔ تاہم تعینِ اجرت میں ذہن وہی پرانا اور فرسودہ ہے۔ اب بھی سرمایہ دار ان اصطلاحوں میں سوچتا ہے کہ کارخانہ دار کو تو نفع میں اتنا زیادہ حصہ ملنا چاہیے جس سے اس کے تمام تعیشات کا بوجہ احسن بندوبست ہو سکے اور مزدور کو بہر حال اس سے کہیں کم ملنا چاہیے۔ حالانکہ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، کام کی نوعیت بہر حال اجتماعی (Collective) اور اس لحاظ سے دیکھیے تو تعینِ اجرت کا اصول بھی اجتماعی ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے استحصال کی اس صورت کو چاہے آپ نفع کہیں۔ چاہے سرمایہ دار کی محنت کا ثمرہ قرار دیں یہ ایک طرح کے ظلم ہی پر مبنی ہے۔ اور ظلم کی قرآن نے بار بار مذمت کی ہے۔ اگر استحصال کے معنی یہ ہیں کہ کام کی نوعیت تو ایک ہو مگر احتساب نفع کے پیمانے دو ہوں تو پھر قرآن کا یہ اعجاز ملاحظہ ہو کہ اس نے اس صورتِ حال کو خاص طور پر حرام قرار دیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ویلٌ للمطففین ہ الذین اذا کتالوا علی الناس یستوفون ہ واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون۔ (مطففین: ۳)

ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے۔ جو لوگوں سے ناپ کریں، تو پورا لیں۔ اور جب ان کو ناپ کر اور تول کر دیں تو کم کر دیں۔

یعنی جب اپنے نفع کا سوال ہو تو بھاؤ اونچا ہو۔ اور جب دوسروں کو ان کی محنت کا ثمرہ دینا پڑے تو بھاؤ کم ہو جائے۔ ان لوگوں کو قرآن نے "سجین" کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ استحصال تطفیف ہی کی ایک قسم سے تعبیر ہے۔

## کیا اشتراکیت کی اقتصادی حکمت عملی کو ہم اپنا سکتے ہیں؟

جب نجی ملکیت اور استحصال کی بحث نے تشریح اور نکھار کا ایک مرحلہ طے کر لیا۔ تو اب آخری اور براہِ راست سوال جو فکر و نظر کو تحقیق و جستجو پر آمادہ کرتا ہے یہ ہے کہ اشتراکیت کی اقتصادی روح کو اسلام کے نظام عقائد میں سمو لینے کی شکل کیا ہو گی؟ لیکن اس سوال پر غور کرنے سے پہلے ہمیں اس شبہ کا جواب دینا ہو گا کہ کیا ایسا ہونا ممکن بھی ہے۔ کیا دو متضاد نظام فکر جمع ہو سکتے ہیں۔؟ آخر اس اشتراکیت کو جو جدلی مادّیت کو جانتی ہے، خدا، انبیا اور ملائکہ کا انکار کرتی ہے اور مذہب و دین کو محض تاریخ کے وقتی تقاضوں کا نتیجہ قرار دیتی ہے۔ کسی طرح بھی اس دین اور نظریۂ حیات کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے، جو اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان رکھتا ہے، انبیا اور ملائکہ کو صفت الوہیت اور فیوض الوہیت کا کرشمہ جانتا ہے اور تاریخ کے بارہ میں جس کا یہ عقیدہ ہے کہ اس میں انسان اور عقل کا کردار تخلیقی ہے، جبری اور اضطراری نہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس شبہ کا جواب بھی دینا ہو گا کہ ان دو مختلف نظریات کے اتحاد سے فائدہ کس کو پہنچے گا۔ اسلام کو یا اشتراکیت کو۔

## اسلام اور اشتراکیت میں تضاد کی نوعیت

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ اسلام اور اشتراکیت چونکہ دو متضاد نظام ہیں لہٰذا ان میں اتحاد و مفاہمت کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے بارہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تہہ میں منطقی اعتبار سے دو واضح غلطیاں ہیں۔ ایک ذہنی و فکری۔ دوسرے یہ کہ اس میں بعض اجزا کو خواہ مخواہ کل فرض کر لیا گیا ہے۔ ذہن اور اسلوب فکر کی غلطی کے معنی یہ ہیں کہ کچھ لوگ بیسویں صدی میں ان اصطلاحوں میں سوچنے کے عادی ہیں جو قرونِ وسطیٰ میں رائج تھیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے بہرہ مند حضرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کسی بھی مسئلہ پر معروضی انداز میں غور نہیں کرتے یا کسی بھی مسئلہ کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ فی نفسہٖ اس پر غور و تامل ہونا چاہیے۔ یہ حقائق کی تشریح، ڈھلے ڈھلائے جملوں مقولوں اور فارمولوں کی روشنی میں کرتے ہیں۔ حالانکہ ان جملوں، مقولوں اور فارمولوں کی صحت و دشواری پر خود حقائق کی روشنی میں غور ہونا چاہیے۔ ان کے نزدیک کسی بھی حقیقت کی بجائے خود کوئی حیثیت نہیں۔ ان کی حیثیت کا تعین محض فرسودہ، غیر واقعی اور کوتاہ نظری پر مبنی چلتے ہوئے جملوں سے ہوتا ہے۔ یہ دور سائنس اور جانچ پرکھ کا ہے۔ اس میں حقائق نے گھسے پٹے کلیات، بیش پا افتادہ مقدمات اور فقروں کی گرفت سے آزادی حاصل کر لی ہے۔ اب ان میں ہر ایک کی اپنی حیثیت اور مقام ہے۔ اجتماع ضدین محال کی حیثیت ایک تجرید سے زیادہ نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ طبیعیات اور حیاتیات کی سطح سے لے کر مذہب، جمالیات اور تہذیب و ثقافت کے ہر ہر دائرہ تک اجتماع اضداد کا وجود پایا جاتا ہے۔ کیا یہ شیریں اور جان بخش پانی جو ہم شب و روز متعدد بار پیتے ہیں۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن دو مختلف گیسوں سے مل کر نہیں بنا ہے۔؟ کیا انسانی جسم میں لاکھوں اور کروڑوں خلیے بیک وقت زندگی اور موت سے دوچار نہیں ہوتے۔ اور خلیوں کی موت اور زندگی کے اسی تسلسل کا نام حیات نہیں۔ وہ نغمہ اور دل میں اتر جانے والا آہنگ آخر اس کے سوا کیا ہے کہ اس میں آواز اور شور کو خاص سلیقے سے ترتیب دے دیا گیا ہے۔ اسلامی تہذیب نے رومیوں اور ایرانیوں سے کیا کیا لیا اور کس طرح اس کو نفاست و تکمیل کے اوج پر پہنچایا۔ یا خود اسلامی تہذیب نے مذاہب عالم پر کیا گہرے اثرات چھوڑے، سر دست اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ خود سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام نے جو قطعی ایک دوسرے کے حریف اور ایک دوسرے کی ضد ہیں، آپس میں کن اقدار کا تبادلہ کیا۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ سرمایہ داری نے اشتراکی کردار اور اصولوں کو اپنانے کی حتی المقدور کوشش کی۔ کیا اس نظام میں سرمایہ شخصی ملکیت سے نکل کر قدرے اجتماعی دائرے میں داخل نہیں ہوا۔ کیا اس میں منصوبہ بندی کو اختیار نہیں کیا گیا اور مزدور کی فلاح و بہبود کے لیے بونس، بیمہ اور شیئرز کی شکل میں متعدد اقدامات نہیں کیے گئے۔؟ اسی طرح کیا اشتراکیت جو سخت گیرانہ آمریت کا شکار تھی، جمہوری قدروں کو اپنانے پر مجبور نہیں ہوئی۔ اور علیحدگی وانزوا کی وہ صورت ختم نہیں ہوئی، جس نے اشتراکی دنیا کو دوسری دنیا سے کاٹ کر رکھ دیا ہے اور کیا اس میں نجی ملکیت کے اصول کو ایک حد تک اپنانے کی کوششیں نہیں کی گئیں ہیں؟ ۔ اسی طرح اشتراکیت کی تعبیر و تشریح کے سلسلہ میں کیا یہ تبدیلی رونما نہیں ہوئی کہ علوم و فنون پر بالعموم اور اجتماعی علوم پر بالخصوص لینن اور مارکس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے حوالوں سے ہٹ کر خالص معروضی طریق سے غور کیا جائے اور اگر ان میں فہم و انطباق کی کوئی غلطی ہو تو تسلیم کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب اشتراکی حلقوں میں اشتراکیت کے ان پنڈتوں کی بات پر دھیان نہیں دیا جاتا جو ہر ہر معاملہ کو لینن اور مارکس کی تصریحات ہی کی صورت میں سلجھانے کے عادی تھے۔ کہنا یہ ہے کہ ہر بڑی حقیقت اور ہر اونچا انکشاف چاہے اس کا تعلق مذہب و ادیان اور تہذیب و تمدن کے گوشوں سے ہو، چاہے طبیعیات سے۔ اس میں تضاد کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور پایا جاتا ہے اور یہی تضاد اس کو نکھارتا اور رونق بخشتا ہے۔ کلمۂ توحید ہی کو دیکھیے لا اور الا کے تضاد سے ترتیب پذیر ہے۔ اگر نفی صحیح ہے تو استثنا اور اثبات غلط ہے اور اگر استثنا و اثبات درست ہے تو نفی کلیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ لیکن لا اور الا کے اسی تضاد کا کرشمہ ہے کہ اس سے مذاہب و ادیان کی سب سے بڑی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور ہر طرح کے شرک کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک تقسیم دولت کا تعلق ہے اشتراکیت کی روح کو اسلامی نظام میں سمو لینا چاہیے تو ہم جدلی مادیت کی بات نہیں کرتے، نہ اشتراکیت کے تصورِ تاریخ کی بات کرتے ہیں کیونکہ کائنات اور تاریخ سے متعلق ہمیں اپنے ایمانیات کی معقولیت و استواری پر فخر و ناز ہے۔ ہم تو صرف اقتصادی مسئلہ کی حد تک یہ چاہتے ہیں کہ اس میں جو خوبیاں ہیں وہ اپنائی جائیں۔ کیونکہ کسی بھی خوبی، سچائی یا کسی بھی علمی اور سائنسی اشکال کے حل پر کسی نظریہ یا دین کا اجارہ نہیں ہوتا۔ سچائیوں اور خوبیوں کو اپنانے اور سمونے کا حق ہر قوم اور تہذیب کو ہے۔ یہ عالمگیر حقیقتیں ہیں اور تمام بنی نوع انسان کی مشترکہ میراث ہیں۔ اصل سوال یہ ہے کہ اس روح کو اسلامی نظام میں سمو لینے کے معنی کیا ہیں۔ یا وہ کیا اسلوب و نہج ہے جس سے ہم اس سلسلہ میں کام لینا چاہتے ہیں۔ اسلام کے نظامِ فکر و عمل میں اس کو سمو لینے کے معنی یہ ہیں کہ ایک طرف تو ہمارے یہاں کے اہلِ فکر بغیر کسی احساس مرعوبیت کے معاشرہ کے اقتصادی اشکال کو ایک معروضی اشکال کی حیثیت سے تسلیم کریں اور یہ بات پورے انشراح صدر کے ساتھ مان لیں کہ انسان اور انسان کے درمیان یہ غیر انسانی اور غیر اسلامی تقسیم پائی جاتی ہے۔ جسے اسلام کے تخلیقی مزاج اجتہاد کی روشنی میں ہمیں حل کرنا ہے۔ دوسری طرف اس اقتصادی روح کے لیے ہمیں ماخذ و سرچشمہ کی حیثیت سے صرف اسلام کی طرف دیکھنا ہوگا اور اس کا رشتہ اسلام کے نظریۂ توحید، عدل اور اخوت کے ساتھ جوڑنا ہوگا۔ جدلی مادیت کے ساتھ نہیں۔ یعنی ہمیں یہ بتانا ہوگا کہ نظریۂ توحید کی اگر کوئی اجتماعی تعبیر ہم اس دور میں پیش کر سکتے ہیں تو اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی روشنی میں مرتب ہونے والا معاشرہ اونچ نیچ کے تضادات سے بڑی حد تک پاک ہو۔ کیونکہ جب خدا ایک ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے بندوں میں مرتبہ و درجہ کی اتنی بڑی بڑی دیواریں حائل ہوں۔ اسی ڈھنگ سے ہمیں مسلمانوں کو یقین دلانا ہوگا، عدل اور جذبہ اخوت کو جو ہماری معاشرت کے بنیادی اصول ہیں، اگر کسی اجتماعی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں گے تو اس کے نتیجے میں یہی اقتصادی حل آپ کے سامنے آئے گا کہ ذرائع پیداوار کو ملی مصالح کے تابع رکھا جائے۔ اور کسی مخصوص گروہ یا خاندان کو موقع نہ دیا جائے کہ وہ ان پر قابض ہونے کی وجہ سے استحصال کر سکے۔ معاشرہ کی تعمیر نو کے سلسلہ میں دو باتیں اور بہت اہم ہیں۔ اوّل یہ کہ ذرائع دولت کو صرف اسی حد تک قومیانا چاہیے جس حد تک مصالح ملی کے نقطۂ نگاہ سے ضروری ہو۔ کیونکہ اسلام نہ فرد کو اتنی آزادی دیتا ہے کہ وہ اجتماعی مصلحتوں کو نقصان پہنچائے اور نہ اجتماعیت کے اس تجاوز کو گوارا کرتا ہے کہ جس سے فرد کی تگ و تاز اور حریتِ فکر متاثر ہو۔ اسلام کی راہ خیر مصلحت اور توازن کی راہ ہے۔

---

## عقلیاتِ ابنِ تیمیہ : از مولانا محمد حنیف ندوی

غزالی کے بعد علامہ ابنِ تیمیہ دوسرے شخص ہیں جنھوں نے اسلام کے نظامِ حیات کا اس وقتِ نظر سے جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ تفسیر، حدیث، تصوف اور فقہ و اصول کی تشریح میں ہمیں کن پیمانوں سے کام لینا چاہیے۔ علامہ کی پوری زندگی الحاد و زندقہ کے خلاف جہاد میں بسر ہوئی، چنانچہ انھوں نے جس کامیابی و ہنرمندی کے ساتھ کتاب و سنت کے رُخِ زیبا کو نکھارا ہے، بدعات کی پُرزور تردید کی ہے اور اسلام کے چہرۂ روشن سے یونانیت اور عجمیت کے دبیز نقابوں کو ہٹایا ہے یہ انہی کا حصہ ہے۔ اُن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے زمانے کے "عقلیات" کو بکمال ژرف نگاہی، کھنگالا ہے اور تنقید و احتساب کے بعد ثابت کیا ہے کہ ان کے مقابلہ میں اسلام کا عقلی موقف کہیں زیادہ صحیح، استوار اور متوازن ہے۔ اس کتاب کا موضوع ان کی یہی گراں قدر تنقیدات ہیں۔ صفحات : ۳۵۹ قیمت : -/۹ روپے، اخباری کاغذ : -/۶ روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com